ہم تحریکِ اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟

مولانا سید جلال الدین عمری

مولانا سید جلال الدین عمری (پ: ۱۹۳۵) عالم اسلام کے ایک جید عالم دین، بہترین خطیب، ممتاز محقق اور صاحبِ طرز مصنف کی حیثیت سے معروف ہیں۔ قرآن وسنت سے گہری واقفیت کے ساتھ جدید افکار پر موصوف کی اچھی نظر ہے۔ موضوع کا تنوع، اسلوب کی انفرادیت، طرزِ استدلال کی ندرت اور زبان وبیان کی شگفتگی ان کی نمایاں خصوصیات ہیں۔

مولانا عمری معروف دینی درس گاہ جامعہ دارالسلام عمرآباد (تمل ناڈو) کے فارغ التحصیل، مدراس یونیورسٹی سے فارسی میں منشی فاضل اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انگریزی میں گریجویٹ ہیں۔ وہ اس وقت جماعتِ اسلامی ہند کے امیر، مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر، جامعۃ الفلاح بلریا گنج کے شیخ الجامعہ، سراج العلوم نسواں کالج علی گڑھ کے سرپرست اعلیٰ، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ اور تصنیفی اکادمی دہلی کے صدر اور مشہور سہ ماہی مجلّہ 'تحقیقاتِ اسلامی' علی گڑھ کے بانی مدیر ہیں۔ تقریباً پانچ سال تک وہ ماہنامہ 'زندگی نو' دہلی کی ادارت کے فرائض بھی انجام دے چکے ہیں۔

مولانا عمری کی مختلف موضوعات پر چار درجن سے زائد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان میں تجلیات قرآن، اوراقِ سیرت، معروف ومنکر، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، انسان اور اس کے مسائل، اسلام اور مشکلاتِ حیات، اسلام کی دعوت، اسلام کا شورائی نظام، اسلام- انسانی حقوق کا پاسبان، کم زور اور مظلوم- اسلام کے سایے میں، غیر اسلامی ریاست اور مسلمان، اسلام میں خدمت خلق کا تصور، عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے، دعوت وتربیت: اسلام کا نقطۂ نظر، مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے عربی، انگریزی، ترکی، ہندی، ملیالم، تلگو، مراٹھی، گجراتی، بنگلہ اور تمل میں ہو چکے ہیں۔ حقوق نسواں مولانا کی دلچسپی کا خاص موضوع ہے۔ عورت اسلامی معاشرے میں، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، اسلام کا عائلی نظام، عورت اور اسلام، مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں جیسی تصانیف اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

پیش نظر کتابچہ "ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟" میں دو مضامین شامل ہیں۔ ایک مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ تحریکِ اسلامی کا کارکن بننے کے لیے اپنے اندر کن اوصاف کو پیدا کرنا ہوگا۔ دوسرے مضمون میں اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے علمی تیاری کی اہمیت بیان ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم علمی طور پر تیار ہوں اور اسلامی نقطۂ نظر کو دلائل کے ساتھ پیش کریں۔



PN-557

₹ 18.00

ہم تحریکِ اسلامی کے

کارکن کیسے بنیں؟

مولانا سید جلال الدین عمری



مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۵۵۷

نام کتاب : ہم تحریکِ اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟
مصنف : مولانا سید جلال الدین عمری
صفحات : ۲۴
اشاعت
طبع ہفتم : ستمبر ۲۰۱۷ء
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : -/۱۸ روپے
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۳۳۴۷
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Website: www.mmipublishers.net
مطبوعہ : وناٹک آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی-۲۰

HAM TEHREEK-E-ISLAMI KE
KARKUN KAISE BANEIN (Urdu)
By: Maulana Sayyid Jalaluddin Umari
Pages: 24
Price: ₹ 18.00

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

مسلمانوں کی اکثریت اسلام سے جذباتی وابستگی تو رکھتی ہے، لیکن اس کے اثرات ان کی زندگیوں میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ انھیں اسلام کی جملہ تعلیمات اور احکام کا شعور ہوتا ہے اور نہ ان کی زندگیاں ان کا عملی نمونہ پیش کرتی نظر آتی ہیں۔ تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ اس کتابچہ میں دو مضامین شامل ہیں۔ ایک مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ تحریکِ اسلامی کا کارکن بننے کے لیے اپنے اندر کن اوصاف کو پیدا کرنا ہوگا۔ دوسرے مضمون میں اقامتِ دین کی جدو جہد کے لیے علمی تیاری کی اہمیت بیان ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم علمی طور پر تیار ہوں اور اسلامی نقطۂ نظر کو دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

یہ کتابچہ اس سے پہلے پانچ بار شائع ہو چکا ہے۔ یہ اس کا چھٹا ایڈیشن ہے۔ اب کی بار اس پر نظر ثانی کرتے ہوئے ذیلی عناوین کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اسی کا عکس ساتویں بار شائع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو تحریک اسلامی کا خادم بنائے اور ہماری جدو جہد کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین

جلال الدین عمری

۱۵؍ ستمبر ۲۰۱۷ء

ہم تحریکِ اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟

(تحریکی نوجوانوں سے خطاب)

کیا اسلام ایک تحریک ہے؟

آیئے اس سوال پر غور کرنے سے پہلے اسی سے متعلق ایک اور سوال پر غور کرلیں۔ وہ یہ کہ کیا اسلام ایک تحریک ہے؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہو تو اوپر کا سوال بامعنی ہوگا، ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں ہوں گے۔ اسلام کو جب ایک تحریک کہا جاتا ہے تو اس کی مخالفت دورِ جدید کے علم برداروں کی طرف سے بھی ہوتی ہے اور بعض مذاہب کے حاملین کی طرف سے بھی۔ دورِ جدید اسلام کو ایک مذہب سمجھتا ہے اور مذہب کے بارے میں اس کا تصور یہ ہے کہ یہ پوجا پاٹ اور کچھ روایات اور مراسم کا مجموعہ ہے۔ جو لوگ اسے مانتے ہیں اس پر عمل کرسکتے ہیں، لیکن زندگی کے اور معاملات سے نہ تو اس کا کوئی تعلق ہے اور نہ ہونا چاہیے۔ آج پوری دنیا کا اجتماعی اور سیاسی نظام اسی تصور پر مبنی ہے کہ مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے، اجتماعی زندگی اس سے الگ رہے گی۔ مذہب کے بارے میں اس رویہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ اگر مذہب دنیا کے اجتماعی امور و معاملات سے متعلق ہوگا تو دنیا فتنہ وفساد کی آماج گاہ بن جائے گی۔ لیکن تعجب ہے، یہ بات وہ لوگ کہتے ہیں جنھوں نے خود دنیا کو فتنہ وفساد سے بھر رکھا ہے۔ اس

وقت دنیا میں جو بگاڑ ہے وہ مذہب کا پیدا کردہ نہیں ہے، بلکہ خدا بے زاری اور مذہب دشمنی کے یہ کڑوے کسیلے پھل ہیں جو انسان کو چکھنے پڑ رہے ہیں، بلکہ انھی سے وہ پیٹ بھرنے پر مجبور ہے۔

یہ تو ہے مذہب کے بارے میں دورِ جدید کا نقطۂ نظر۔ اس کے ساتھ بعض مذاہب اور ان کے حاملین نے بھی یہ تصور دینے کی کوشش کی کہ مذہب اصلاً روح کے تزکیہ اور طہارت کے لیے ہے۔ یہ مقام بلند اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ انسان دنیا اور اس کے مسائل سے بے تعلق نہ ہوجائے اور نفس اور اس کی خواہشات کو پوری طرح کچل نہ دے۔ اس کے لیے خاص قسم کی ریاضتیں وجود میں آئیں، مشقیں اور تجربات ہونے لگے اور روحانی ترقی کے چاہنے والے دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں، جنگلوں اور غاروں میں چلے گئے۔ اس سے رہبانیت کا ایک پورا نظام وجود میں آیا۔ یہ نظام دورِ جدید کے تصور مذہب کو تقویت پہنچاتا رہا، اس لیے اسے پھلنے پھولنے کے مواقع بھی فراہم ہوتے رہے۔ اس طرح عملاً ایک نے ایک جذبے سے اور دوسرے نے دوسرے جذبے سے مذہب کو انسان کی اجتماعی زندگی سے بے دخل کردیا۔ اسلام کو جب ہم تحریک کہتے ہیں تو ان دونوں نظریات کی تردید کرتے ہیں اور انھیں غلط اور باطل قرار دیتے ہیں۔

اسلام زندگی میں ہمہ گیر تبدیلی چاہتا ہے

تحریک نام ہے کسی مقصد کے لیے حرکت اور جدوجہد کا۔ یہ مقصد جس نوعیت کا ہوگا اسی نوعیت کی جدوجہد ہوگی۔ اسے بعض مثالوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اس وقت پورے سماج میں بے ایمانی اور رشوت پھیلی ہوئی ہے۔ فرض کیجیے، آپ اس کے خلاف کوئی اصلاحی تحریک چلانا چاہتے ہیں تو اس کا ایک خاص میدان ہوگا،

یا تعلیم کو عام کرنے کی تحریک آپ کے پیش نظر ہو تو یہ کام کچھ خاص حدود میں ہوگا، یا کوئی سیاسی تحریک چلانا چاہیں تو اس کا بھی ایک دائرہ ہوگا۔ لیکن اسلام انسان کو پوری طرح بدل دینے کا نام ہے۔ اس کی شخصی زندگی کو بھی اور اجتماعی زندگی کو بھی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلابی تحریک ہے، جو انسان کو نفس اور خواہش کی غلامی سے، قوم اور قبیلے کی غلامی سے، رسم و رواج کی غلامی سے، غرض یہ کہ ہر چھوٹی بڑی غلامی سے نجات دلاکر ایک اللہ کا بندہ اور غلام اور اس کے احکام کا پابند بنانا چاہتی ہے۔ اس تحریک کا ہدف اور گول (Goal) ہے:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ — اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔ (النحل:۳۶)

وہ اس اعلان کے ساتھ آتا ہے: مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے) اس کا مطالبہ ہے: اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ) وہ کامیابی کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو ضروری قرار دیتا ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ (آل عمران:۱۳۲) (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسول کی۔ امید ہے تم پر رحم کیا جائے گا)

اس نظریہ کی بنیاد پر عرب کی سرزمین میں آج سے چودہ سو سال پہلے جو تحریک اٹھی اس نے پورے معاشرہ میں ایک ہل چل پیدا کردی۔ اس نے مردوں کو زندہ کیا، نیند کے متوالوں کو بیدار کیا، کم زوروں کو توانائی عطا کی، اپاہجوں کو چلنا سکھایا، جو لوگ اپنے نفس کے بندے تھے ان کو خدا کا بندہ بنایا، جو بے شمار خداؤں کی پرستش کرتے تھے ان کے سر خدائے واحد کے سامنے جھکادیے، جو خواہشات کے پیچھے چل رہے تھے ان کو حدود و قیود میں رہنا سکھایا، جو بے معنی رسم و رواج کی بندشوں میں جکڑے ہوئے تھے انھیں ایک جاندار اور ابدی قدر و قیمت کی حامل شریعت کا

علم بردار بنایا، جو بے مقصد زندگی گزار رہے تھے انھیں ایک واضح مقصد کے تحت جمع کیا۔ اس سے ایک ایسی امّت وجود میں آئی جو اس انقلابی فکر کو لے کر اطرافِ عالم میں پھیل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ایک بڑے حصہ پر اس نے اسلام کا پرچم گاڑ دیا۔

اسلام نے انسانی زندگی کو جن حدود کا پابند بنایا ہے ان کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو موجودہ دور کے سامنے سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی مذہبی بندشیں آجاتی ہیں، جن کی وجہ سے ذہن وفکر پر تالے لگانے اور سائنسی اور تمدنی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کے لیے بدترین قسم کی تشدد آمیز کارروائیاں کی گئیں۔ یہ سب کچھ مسیحیت کے نام پر اس کے غلط ترجمانوں نے کیا۔ اس قابلِ مذمت کارروائی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے عقل و دانش کے استعمال پر کبھی کوئی پابندی نہیں لگائی، بلکہ نئی تحقیقات کی راہ کھولی اور تمدن کو آگے بڑھایا۔ وہ تو انسان کے نفس اور خواہشات پر پابندی لگاتا ہے، اوہام و خرافات اور بے بنیاد تصورات سے نجات دلاتا ہے، غلط رسم و رواج اور بے جا بندشوں سے محفوظ رکھتا ہے، اس کی پابندیاں ترقی کی ضامن ہیں نہ کہ اس کی راہ کی رکاوٹ۔

اپنی زندگی تحریک کے حوالے کرنے والا اس کا کارکن ہے

تحریکِ اسلامی، مذہب کے جامد تصور کے خلاف اسلام کا جو حرکی تصور پیش کرتی ہے، یہ اس کا ایک ہلکا سا تعارف ہے۔ اب آئیے یہ دیکھیں کہ آدمی اس تحریک کا کارکن کیسے بنتا ہے؟ لیکن یہاں ایک بات کی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ ہر اس شخص کو کسی تحریک کا کارکن کہا جاسکتا ہے جو اس کے لیے کچھ وقت دے، تھوڑی سی دوڑ دھوپ کرے اور اس کے بعض کاموں میں تعاون

کرے، لیکن اس وقت میرے سامنے مثالی اور معیاری کارکن کا تصور ہے۔ مثالی کارکن وہ ہے جو اپنی پوری زندگی تحریک کے حوالہ کردے، اسی کے لیے سوچے، اسی کے لیے تگ و دو کرے، اسی کی فکر میں تڑپتا رہے اور تحریک کے مفاد کے لیے اپنے ہر مفاد کو قربان کردے۔ اس کی جان، مال قوت و صلاحیت سب کچھ تحریک کے لیے وقف ہوجائے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ اس کے لیے کارکن کی اصطلاح کو ہلکی سمجھیں اور کوئی اور اصطلاح تجویز کریں، لیکن میرے خیال میں تحریک کی بڑی سے بڑی خدمت انجام دینے والا بھی اس کا کارکن ہی ہوتا ہے۔

تحریک اسلامی کے مثالی کارکن کے اوصاف

تحریک کے ہر کارکن کو مثالی کارکن بننے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے اندر یہ تمنا، یہ جذبہ اور یہ تڑپ ہونی چاہیے کہ وہ تحریک کا ایک عام کارکن ہی نہیں بلکہ مثالی کارکن بن کر رہے گا اور تحریک کی بڑی سے بڑی خدمت انجام دے گا۔

اس تحریک کا معیاری اور مثالی کارکن بننے کے لیے آدمی کو زبردست تیاری کرنی ہوگی اور اپنے اندر خاص خوبیاں پیدا کرنی ہوں گی۔ یہاں ان ہی کا ذکر کیا جارہا ہے:

۱- اسلام کا گہرا علم حاصل کرے

جو شخص تحریکِ اسلامی کا معیاری کارکن بننا چاہتا ہو اس کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اسلام کا گہرا علم حاصل کرے، اسے اچھی طرح سمجھے، اس کے احکام و مقاصد سے باخبر ہو اور اس کی روح اور مزاج کو اپنے اندر جذب کرلے۔ اس کا یہ علم اور واقفیت اتنی بڑھ جائے کہ اسے اسلام کی حقانیت پر کامل شرح صدر حاصل ہوجائے، اس کے اندر سے یہ یقین ابل رہا ہو کہ صرف اسلام ہی

کے دامن میں نجات مل سکتی ہے۔ وہ دن کی روشنی میں دیکھ رہا ہو کہ دنیا باطل نظریات کی آگ میں جل رہی ہے اور غلط اخلاق و اعمال نے اس کو موت کے دہانہ تک پہنچا دیا ہے۔ دنیا کا کوئی نظریہ اس کے اس یقین کو متزلزل نہ کرسکے کہ اس کے پاس نورِ حق ہے اور ظلمت کی ماری ہوئی دنیا کو وہ راہ حق دکھا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول، جنھوں نے کفر و ظلمت سے دنیا کو پاک کیا، انھیں اللہ کے دین پر اسی طرح شرح صدر ہوتا تھا۔ اسی شرح صدر کے بعد وہ اس پوزیشن میں ہوتے تھے کہ اس بھاری بوجھ کو اٹھاسکیں جو پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائے اور زمین پر ڈال دیا جائے تو اس کا سینہ شق ہوجائے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے کہا گیا ہے کہ تبلیغ دین کی بھاری ذمہ داری نے آپؐ کی کمر توڑ رکھی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرح صدر کی دولت عطا فرمائی، جس کی وجہ سے اس راہ پر استقامت اور اس کے لیے دشواریوں کا برداشت کرنا آپ کے لیے آسان ہوگیا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝٤

کیا ہم نے تمھارا سینہ تمھارے لیے کھول نہیں دیا اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ نہیں اتار دیا جو تمھاری کمر توڑے ڈال رہا تھا اور تمھاری خاطر تمھارے ذکر کا آوازہ بلند کردیا۔ (الانشراح:۱-۴)

یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں اسلام کا نام لینے میں بعض وہ رکاوٹیں نہیں ہیں جو کسی زمانے میں تھیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اسلامی تحریکیں دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام کی وکالت اور ترجمانی کا فرض انجام دے رہی ہیں۔ ان تحریکوں نے بہترین اسلوب میں دین کی تفہیم کی خدمت انجام دی ہے اور دے رہی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہت

سے لوگوں نے ان تحریکوں کے نقطۂ نظر، ان کی زبان اور ان کی اصطلاحات کو تو اپنا لیا ہے، لیکن ان کی معنویت اور تقاضوں کو وہ پوری طرح اپنے دل و دماغ میں نہیں اتار سکے ہیں۔ ان تحریکوں کے زیر اثر یہ کہنا آسان ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، لیکن اس اجمال کو کھولنا آسان نہیں ہے۔ ان تحریکوں نے اس حقیقت کا بے باکانہ اظہار کیا کہ انسان کی سیرت کی تعمیر، معاشرہ کی تشکیل اور ریاست کی تنظیم صحیح خطوط پر اسلام ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے، اس لیے اسی کو زندگی کے ہر پہلو پر حکم رانی کا حق حاصل ہے۔ آپ کو ایسے لوگ ملیں گے جو ان تحریکوں سے تعلق کی بنا پر اس انقلابی فکر کا چرچا تو کرتے ہیں، لیکن اس کے مضمرات اور پیچیدگیوں سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ ان تحریکوں نے بتایا کہ اسلام، عقیدہ، اخلاق، معاشرت، معیشت اور سیاست کے لیے بہترین اصول فراہم کرتا ہے اور دین و دنیا کے سارے مسائل بہت ہی عمدگی سے حل کرتا ہے، اس لیے دانش مندی کا تقاضا ہے کہ زندگی کے تمام شعبے اسی کے تابع ہوں اور اقتدار و حکومت صرف اسی کی تسلیم کی جائے۔ لیکن ایسے لوگ کم ملیں گے جو اس فکر سے اتفاق کے باوجود زندگی کے کسی ایک شعبہ میں اسلام کی برتری ثابت کرسکیں۔

اس میں شک نہیں کہ تحریک میں عوام بھی ہوتے ہیں اور خواص بھی، اس لیے تحریک کے ہر فرد سے اس فکری بلندی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ خواص کا مقام قیادت اور راہ نمائی کا ہے، عوام پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ علم کے بغیر قیادت کا نازک منصب حاصل نہیں ہوسکتا۔ نعرے اور دعوے عوام کے لیے ہوتے ہیں، علم والے دنیا کو ان کی معنویت سمجھاتے ہیں۔ تحریک اسلامی کے مثالی کارکن کو علم والوں کی صف میں نظر آنا چاہیے۔ اس کے لیے اسلام کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ اس مطالعہ کے دو پہلو ہیں: ایک تو یہ کہ اسلام کا عمومی مطالعہ ہو اور آدمی اس کے بنیادی مسائل اور

احکام اور اس کی غرض و غایت سے اس حد تک واقف ہوجائے کہ وہ اس کا اجمالی تعارف کراسکے۔ تحریکِ اسلامی کے ہر کارکن کے لیے اس حد تک اسلام کا مطالعہ بے حد ضروری ہے، اس سے غفلت کسی حال میں نہیں ہونی چاہیے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام کا خصوصی مطالعہ کیا جائے۔ اس سے میری مراد اونچی قابلیت اور گہری بصیرت پیدا کرنا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر اس نوعیت کا مطالعہ خاص طور پر موجودہ دور میں بہت دشوار بلکہ شاید ناممکن ہے۔ البتہ اسلام کے عمومی مطالعہ کے ساتھ اس کے کسی ایک پہلو پر ہمارے مثالی کارکنوں کو برترعلمی معیار کی تیاری کرنی چاہیے، تاکہ وہ تفصیل کے ساتھ اسلام کے اس پہلو پر اظہار خیال کرسکیں اور اس کے ایک ایک نکتہ پر دنیا کو مطمئن کرسکیں۔ ظاہر ہے، اس کے لیے غیر معمولی محنت کی ضرورت ہے۔ اس وقت میرا خطاب اصلاً ان نوجوانوں سے ہے جو علم کے مختلف میدانوں میں کام کررہے ہیں۔ ان سے یہ درخواست بے جا نہ ہوگی کہ وہ اس تیاری سے غافل نہ ہوں۔ ایک طالب علم سے علم ہی سے متعلق گفتگو ہوسکتی ہے۔ اگر وہ علم کے میدان میں ناکام رہا تو یہ اس کا اتنا بڑا نقصان ہوگا کہ شاید کسی اور طریقہ سے وہ اس کی تلافی نہ کرسکے۔

۲-تحریکِ اسلامی کا ترجمان ہو

کسی تحریک کا کارکن اس کا ترجمان ہوتا ہے۔ تحریکِ اسلامی کے کارکن کو بھی اس کا ترجمان ہونا چاہیے۔ یہ ترجمانی اسے عوام اور خواص میں، مسجدوں اور مدرسوں میں، اسکولوں اور کالجوں میں، بازاروں اور پارکوں میں، بڑے اور چھوٹے مجمعوں میں، غرض ہر مقام پر اور ہر جگہ کرنی ہوگی اور اپنی بات چیت سے، تقریر و تحریر سے، صحافت سے، مذاکروں اور مباحثوں سے، یعنی ہر اس ذریعہ سے کرنی

ہوگی جو اس کے اختیار میں ہو اور جو اس تحریک کے مزاج سے مطابقت رکھتا ہو۔ آپ ہر محاذ پر اسلام کے وکیل اور ترجمان بن کر نظر آئیں، دنیا کی ہر بحث کا رُخ اس کی طرف موڑ دیں، ہر چیلنج کا جواب آپ کے پاس موجود ہو اور ہر الجھن کو آپ اس کی روشنی میں حل کرسکتے ہوں۔ یہ ایک طویل عمل ہے جو اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ دنیا اسلام کے زیرنگیں نہ آجائے اور ہر طرف اس کا بول بالا نہ ہونے لگے۔ یہی زبردست مہم آپ کو سر کرنی ہے۔ سوچیے، کیا آپ اس کے لیے تیار ہیں؟

۳-پوری زندگی تحریک سے ہم آہنگ ہو

تحریک اسلامی کا کارکن وہ ہے جس کی پوری زندگی اس تحریک سے ہم آہنگ ہو۔ وہ جو کچھ اسٹیج پر نظر آتا ہے وہی اپنی نجی زندگی میں نظر آئے۔ اِس کے اخلاق، اس کے اعمال، اس کے تعلقات اور اس کے معاملات، سب کچھ اس تحریک سے مطابقت رکھتے ہوں۔ جس شخص کے اندر یہ خوبی نہ ہو وہ اس کی خدمت تو کیا کرے گا، اس کی بدنامی اور رسوائی کا باعث ہوگا۔ قول و عمل کا تضاد ہر تحریک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسلامی تحریک کے لیے بھی یہ سمّ قاتل ہے۔ تحریکِ اسلامی سے وابستہ کسی نوجوان کے لیے اس بات کی بڑی اہمیت ہے کہ اس کا کردار اس تحریک کے عین مطابق ہو۔ آج کے دور میں، جب کہ ہمارے اس ملک کے بلکہ دنیا بھر کے نوجوان ذہنی انتشار کا شکار ہیں، ان کی سیرت اور اخلاق کو گھن لگ چکا ہے، وہ بے شمار غلط کاریوں میں مبتلا ہیں، ان کی وجہ سے ہنگامے ہیں، توڑ پھوڑ ہے، بد اخلاقی کے مظاہرے ہیں، زنا اور بدکاری ہے، ان کے درمیان سے بڑوں کا ادب ختم ہوچکا ہے، تعلیم سے ان کی دل چسپی باقی نہیں رہی ، ان کے اوقات غلط

اور بے مقصد کاموں میں صرف ہورہے ہیں، ان کی وجہ سے ان کے ماں باپ پریشان ہیں، پاس پڑوس اور محلّہ کے لوگ پریشان ہیں، بلکہ پورا ملک پریشان ہے۔ اس صورت حال میں اگر کوئی نوجوان اسلام کی صحیح تصویر پیش کرے، وہ بااخلاق اور باکردار ہو، بڑوں کا ادب کرنے والا ہو، چھوٹوں کو اس سے تکلیف نہ پہنچے، اس کے رویہ سے ماں باپ، خویش و اقارب اور ملنے جلنے والے سب خوش ہوں تو اس کی بے زبانی بھی زبان بن جائے گی اور اس کی خاموشی میں گویائی کی طاقت ہوگی۔ وہ اسٹیج پر گئے بغیر بھی ہر وقت اسٹیج پر رہے گا، اس کی باتیں کانوں کے پردوں سے ٹکرا کر نہیں لوٹ آئیں گی، بلکہ دلوں اور دماغوں کی گہرائیوں میں اتر جائیں گی۔ اس کا وجود خود اس بات کی دلیل بن جائے گا کہ وہ حق پر ہے اور حق کی طرف دنیا کو بلا رہا ہے۔ سوچیے، کیا کوئی کارکن اتنے بڑے ہتھیار سے محروم ہوسکتا ہے؟

۴- اپنی صلاحیتوں کو تحریک کی خدمت میں لگائیے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ایک نوجوان تو ان صلاحیتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ وہ انمول اور بیش بہا قوتوں اور صلاحیتوں کا ایک خزانہ لیے پھرتا ہے۔ ان سے وہ تخریبی کام بھی کرسکتا ہے اور تعمیری خدمات بھی انجام دے سکتا ہے۔ آپ تحریکِ اسلامی کے کارکن ہیں۔ آپ کے پاس قوتوں اور صلاحیتوں کا جو خزانہ ہے اسے اسی تحریک کی خدمت میں لگائیے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی یہ صلاحیتیں اور توانائیاں خود بخود آپ کو نہیں مل گئی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ ان کے بارے میں قیامت کے روز سوال ہوگا۔ آپ کے پاس علم ہے تو اس علم کے بارے میں سوال ہوگا، آپ کو جوانی ملی ہے تو اس جوانی کے بارے میں سوال ہوگا، آپ کو جو عرصۂ حیات اور جو مال و دولت حاصل ہے اس کے متعلق بھی سوال ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے:

لا تزول قدم ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يُسئل عن خمس: عن عمره فيم افناه، وعن شبابه فيم أبلاه، وماله مِن أين اكتسبه وفيم أنفقه و ماذا عَمِلَ فيما عَلِمَ.

قیامت کے روز انسان کے قدم اپنے رب کے سامنے سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ اس سے پانچ سوالات نہ ہوجائیں۔ (اور وہ ان کا جواب نہ دے دے) اس نے اپنی عمر کیسے گزاری اور اپنی جوانی کس طرح ختم کی، اپنا مال کہاں سے حاصل کیا اور کس طرح صرف کیا اور جو علم حاصل کیا اس کے مطابق کس حد تک عمل کیا؟

(ترمذی، کتاب صفة القیامة حدیث نمبر ۲۴۱۶)

آپ کو جو صلاحیتیں ملی ہیں اس تحریک کو ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ وہ بغور دیکھ رہی ہے کہ آپ کی یہ صلاحیتیں اس کے کام آرہی ہیں یا نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ دنیا کے بازار میں آپ کی ان صلاحیتوں کی زیادہ قیمت ملے اور تحریک ان کی کوئی قیمت نہ ادا کرسکے، لیکن محض اس وجہ سے کہ بازار میں ان کی قیمت زیادہ ہے آپ ان کو نیلام نہ چڑھائیے۔ یہ دنیا اور متاعِ دنیا بے حقیقت ہے اور آپ کی صلاحیتیں، یقین مانیے، اتنی قیمتی ہیں کہ وہ یہاں کے خزف ریزوں کے عوض نہیں بیچی جاسکتیں۔ یہ یہاں کے لعل و جواہر سے بھی تولی نہیں جاسکتیں۔ ان کی قیمت کا تو آج آپ اندازہ بھی نہیں کرسکتے۔ اس کی صحیح قیمت اس وقت معلوم ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا صلہ ملے گا۔ آپ اتنا پائیں گے کہ اس دنیا کی ہر محرومی کا احساس ختم ہوجائے گا اور ہر تمنا پوری ہوجائے گی۔

یہ تحریک کس کی ہے؟ یہ آپ ہی کی ہے، آپ اس کے دست و بازو ہیں۔ آپ مستقبل کے قائد ہیں، جن پر اس کے چلانے کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ آپ وہ ہیں جن کے حوالہ آئندہ یہ امانت کردی جائے گی۔ ذرا سوچیے، کتنی بڑی ذمہ داری آپ پر آنے والی ہے۔ یاد رکھیے، دنیا کا مستقبل اس تحریک سے وابستہ ہے۔ یہ تحریک ہر طرف چھا جانے کے لیے اٹھی ہے اور اللہ نے چاہا تو چھا کر رہے گی۔ دعا ہے کہ اس کا علم ہمارے ہاتھوں میں ہو اور ہمارے ذریعہ یہ کارنامہ انجام پائے۔

☆☆☆

اقامتِ دین کے لیے علمی تیاری کی اہمیت

اسلام ایک نظامِ حیات ہے۔ یہ پوری زندگی میں ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ دنیا کے سارے نظام غلط اور باطل ہیں۔ اسلام کے ماننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ ان نظاموں کو ختم کرکے اللہ کی اس زمین پر اس کے اس نظامِ حیات کو قائم اور غالب کریں۔ یہی اقامتِ دین ہے۔

اقامتِ دین کا تصور

ایک زمانہ تھا، زیادہ دور کا نہیں، قریب ہی کا کہنا چاہیے، اقامتِ دین کے تصور میں بڑی ندرت تھی۔ غیروں کا ذکر ہی کیا، اپنے بھی بڑی حیرت واستعجاب سے اسے دیکھتے اور سنتے تھے، لیکن اب اس تصور میں پہلی سی ندرت نہیں رہی۔ ماضی قریب کی یہ نامانوس اور اجنبی آواز آج دنیا کے بہت سے گوشوں سے بلند ہورہی ہے۔ یہ نغمہ افراد کی زبانوں پر بھی ہے اور اس کے گرد لوگ مختلف ناموں سے جمع بھی ہورہے ہیں۔

اقامتِ دین کی جدوجہد علمی دلائل کا تقاضا کرتی ہے

اقامتِ دین محض ایک جذباتی نعرہ نہیں ہے۔ اسے ہوش وخرد سے خالی

وقتی جوش وخروش کا مظاہرہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ماضی کو زندہ کرنے کی جھوٹی تمنا اور آرزو بھی نہیں ہے، بلکہ یہ باطل نظریات کی آگ میں جلتی ہوئی دنیا کو دینِ حق کے سایے میں لانے کی ایک سنجیدہ اور منظم کوشش ہے۔

اقامت دین کی جدّ وجہد کس وقت، کہاں اور کن حالات میں شروع ہوئی؟ اس کا کیا علمی سرمایہ تھا اور اس میں کب کتنا اضافہ ہوا؟ اس کی قدر و قیمت میں حالات کی تبدیلی سے کوئی فرق آیا یا نہیں؟ ان سب سوالات سے اس وقت بحث نہیں ہے، البتہ یہ ایک واقعہ ہے کہ اس ملک میں اقامتِ دین کی جدّ وجہد کا آغاز اس طرح ہوا کہ اس کے پیچھے جو فکر اور فلسفہ تھا، مضبوط دلائل اور استدلال کی جو زبردست قوت تھی، اس سے وابستہ افراد نے اسے اچھی طرح جذب کیا تھا۔ لیکن اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نصب العین کے حق میں جو دلائل فراہم کیے گئے تھے ان سے واقفیت کم ہوتی جارہی ہے۔ کم از کم اتنی بات شاید غلط نہ ہوگی کہ یہ دلائل اب ذہنوں میں تازہ نہیں رہے۔ علمی مسائل ومباحث سے جیسے جی گھبراتا ہو اور دامن بچا کر ہم ان سے آگے بڑھ جانا چاہتے ہوں۔ کبھی کبھی خیال ہوتا ہے اور یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے علمی اور فکری تیاری کی اہمیت ہی نگاہوں سے اوجھل ہوتی جارہی ہے اور یہ احساس بھی بہت سے مسائل ومشاغل کے بوجھ تلے دب سا گیا ہے کہ علمی بے سروسامانی کے ساتھ یہ دشوار گزار مہم طے نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ کسی نظریہ کو اختیار کرنا اور اس پر ثابت قدم رہنا بڑا جان جوکھم کا کام ہے۔ اس کی جرأت و ہمت اور قوت وصلاحیت علم ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ دنیا نظریات کا ایک جنگل ہے۔ آدمی علم ہی کی بنیاد پر ان میں سے کسی کا انتخاب کرتا ہے۔ جب اس کا علم پختہ ہوکر ایمان میں تبدیل ہوجاتا ہے تو اس کے اندر پہاڑ کی سی ثابت قدمی اور استقامت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ بے خطر

آتشِ نمرود میں کود پڑنے کے لیے بھی تیار ہوجاتا ہے۔ علم نہ ہو تو آدمی کسی ایک متعین فکر پر جم نہیں سکتا۔ مخالف افکار کا ایک ہی ریلا اسے اپنے ساتھ بہالے جائے گا۔ ذرا ایک قدم اور آگے بڑھ کر ایک داعی کی حیثیت سے سوچیے تو علم کی ضرورت اور اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ علم داعی کی ایک ابتدائی اور بنیادی ضرورت ہے، اس لیے کہ علم ہی سے کارِ دعوت کا آغاز ہوتا ہے۔ کسی نظریہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے اور اسے اختیار کرنے کی دعوت دینے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اس نظریہ کو نہ صرف یہ کہ اچھی طرح سمجھتا ہو جس کی وہ دعوت دے رہا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ان علمی اور فکری بنیادوں سے بھی اسے واقف ہونا چاہیے جن پر وہ نظریہ قائم ہے۔ اس راہ میں جتنا علمی سرمایہ داعی کے پاس ہوگا اتنا ہی وہ آگے بڑھے گا اور جہاں یہ سرمایہ ختم ہوگا اس کی پیش قدمی رُک جائے گی، بلکہ اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اس سفر ہی سے واپس نہ لوٹ آئے اور ہمت ہار کر بیٹھ جائے۔ علم کی تھوڑی سی متاع سے دعوت کا پر پیچ اور لمبا سفر طے کرنا معجزہ ہے اور معجزے ہمیشہ ظاہر نہیں ہوتے۔

مخاطب کی علمی سطح کے مطابق گفتگو

کسی کو ہم سے آپ سے عقیدت و محبت ہو تو ممکن ہے کہ وہ ہماری بات بے دلیل بھی مان لے، لیکن دنیا کا عام قاعدہ یہی ہے کہ دعویٰ دلیل سے مانا جاتا ہے اور دعویٰ جتنا بڑا ہوتا ہے اس کے لیے اتنی ہی بڑی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ دعوت و تبلیغ کے لیے داعی کی علمی سطح مخاطب کی علمی سطح کے برابر بلکہ اس سے برتر ہونی چاہیے۔ تھوڑی بہت معلومات کے ذریعہ ناخواندہ یا کم خواندہ افراد کے درمیان تو کسی نہ کسی درجہ میں دعوتی کام انجام دیا جاسکتا ہے، لیکن پڑھے لکھے طبقے

کو خطاب کرنے کے لیے اسی تناسب سے علمی تیاری کرنی ہوگی۔ اس کے لیے اسی معیار کے دلائل فراہم کرنے ہوں گے اور اسلوبِ بیان بھی اتنا ہی علمی اختیار کرنا ہوگا۔ کسی پڑھے لکھے شخص کو داعی اپنی کم تر علمی سطح پر لاکر بات نہیں کرسکتا، اس کے لیے خود اسے اٹھ کر اپنے مخاطب کی سطح پر پہنچنا ہوگا۔ اس کے بغیر وہ اس کی فکری عظمت کو کبھی نہیں محسوس کرے گا اور اس کی باتوں کو اس قابل نہیں سمجھے گا کہ ان کی طرف توجہ دی جائے۔ ہماری علمی ترقی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ شاید یہ بھی رہی ہے کہ ہم نے علمی لحاظ سے کم تر درجہ کے لوگوں کو اپنا مخاطب بنانا شروع کردیا، اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔ انسان اپنے سے کم تر درجے کے لوگوں کو لاجواب کرکے فریبِ علم میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہی ساری دنیا کی ذہنی سطح ہے اور وہ اپنے دلائل کے زور سے ہر ایک کو زیر کرسکتا ہے۔ یہیں سے اس کا علمی زوال ہونے لگتا ہے۔ علمی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ان افراد سے خطاب کی تیاری کرے جو علم وفکر میں اس سے اونچی حیثیت کے مالک ہیں۔ داعی کو اپنے مخاطبین کے درمیان فکری لحاظ سے اتنے بلند اور محفوظ مقام پر ہونا چاہیے کہ اس پر کسی طرف سے حملہ آور ہونا آسان نہ ہو اور وہ چاروں طرف اپنی یلغار جاری رکھ سکے۔ اس فکری استحکام کے بغیر دنیا میں کوئی بھی ذہنی و فکری انقلاب نہیں آسکتا۔

ہماری علمی فضا میں تبدیلی کا سبب؟

سوال یہ ہے کہ جو علمی فضا ہم نے بنائی تھی اب وہ کیوں بدل گئی اور جو فکری رجحان پیدا کیا تھا وہ کم زور کیوں پڑگیا؟

اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے سفر کے آغاز میں بعض

اہم علمی اور فکری موضوعات سے بحث کی۔ دور جدید نے جو سوالات چھیڑے تھے ان کے جوابات دیے اور علمی دنیا میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک جاری نہیں رہ سکا۔ نئے نئے موضوعات ہم نہیں اپنا سکے اور پچھلے مواد ہی کو دہرانے ، اسے آسان کرنے اور اس کی تشریح و تفسیر کرنے میں لگ گئے۔ مواد کی تکرار اتنی زیادہ ہونے لگی کہ پڑھنے والوں میں اکتاہٹ پیدا ہوگئی۔ اس طرح جو علمی رجحان پیدا ہوا تھا جب اسے مناسب غذا نہیں ملی اور اس کے نشو ونما اور پرورش کا سامان نہیں فراہم کیا گیا تو وہ مرجھا کر رہ گیا۔

علمی میدان میں کام جاری ہے

یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ علمی محاذ پر جو چوکھی جنگ ہم نے چھیڑی تھی وہ جاری نہیں رہ سکی اور جس تیزی سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اس میں فرق آگیا۔ اس کے اسباب یقیناً ہمیں معلوم کرنے چاہئیں اور انھیں دور کرنے کے لیے نئے سرے سے اور نئے عزم و حوصلہ سے کوشش بھی ہونی چاہیے۔ اپنی ست روی کے اس اعتراف کے باوجود یہ کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں ہے کہ اس دوران میں بالکل علمی خلا نہیں رہا ہے، بعض جدید موضوعات زیرِ بحث آئے ہیں، قدیم موضوعات پر نیا مواد بھی پیش کیا گیا ہے، جن مسائل پر صرف مجمل سے اشارے کیے جاسکے تھے ان کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں، جو باتیں دلائل کی محتاج تھیں ان کو مدلّل اور مبرہن کیا گیا ہے اور جن گوشوں کو مزید نمایاں اور اجاگر کرنے کی ضرورت تھی ان کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان کے مطالعہ سے بعض نئے افق ابھر کر سامنے آتے ہیں، جن پہلوؤں کی طرف توجہ نہیں تھی یا کم تھی ان کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس کام کو نظر انداز کرنا اور اس سے خاطر خواہ فائدہ

نہ اٹھانا ایک طرح کا علمی نقصان ہے اور اقامت دین کے علم بردار کو کسی قیمت پر یہ نقصان نہیں برداشت کرنا چاہیے۔

اسلام کے لیے ہر زمانے میں دلائل کا فراہم کرنا ضروری ہے

بعض اوقات اس طرح کا رجحان بھی سامنے آتا ہے کہ اسلام کو علمی و فکری طور پر تو ثابت کیا جاچکا ہے، اب صرف عملاً اسے قائم کرنے کا کام رہ گیا ہے، لیکن یہ خام خیالی ہے۔ یہ دنیا متحارب نظریات کی آماج گاہ ہے۔ نظریات کی جنگ بڑی سخت ہوتی ہے، جو ایک مرتبہ کی کامیابی کے ساتھ ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ یہاں روزہ بروز نت نئے حملے ہوتے رہتے ہیں۔ کسی بھی نظریہ کو زندہ رہنے کے لیے اپنے وجود ہی کا نہیں، بلکہ اپنی قوت و توانائی کا مسلسل ثبوت فراہم کرنا ہوتا ہے۔ جو نظریہ قدم قدم پر یہ ثابت نہ کرسکے کہ وہ دوسرے نظریات پر غالب آسکتا ہے، مخالف نظریات آسانی سے اپنی شکست اور پسپائی کا اعلان کرکے اس کی حکومت اور فرماں روائی کبھی قبول نہیں کریں گے۔ بہت سے نظریات اس دنیا میں ابھرتے رہے ہیں، لیکن جب نظریات کی کشمکش میں وہ شکست کھاگئے تو انھیں بے جان اور مردہ سمجھ کر تاریخ کے اوراق میں دفن کردیا گیا۔ یہاں کسی بھی نظریہ کا علم بردار ہر آن فکری کشمکش سے دوچار رہتا ہے۔ وہ ایک لمحہ کے لیے اس سے غافل ہوجائے تو مخالف نظریات کے لیے اسے میدان خالی کرنا پڑے گا۔ تاریخ اس معاملہ میں بڑی بے رحم واقع ہوئی ہے۔ نہ پہلے اس نے کسی کے ساتھ رعایت کی اور نہ اب کرے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم جو فکری مہم طے کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے بھرپور علمی تیاری کی ضرورت ہے۔ یہ تیاری مذہب ، فلسفہ، اخلاق اور قانون بہت سے

پہلوؤں سے ہونی چاہیے۔ اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے کہ غلط سے غلط اور باطل سے باطل نظریات بھی علم کے زور اور قوت سے بعض اوقات چھا جاتے ہیں اور اس وقت اس طرح کے نظریات دنیا پر عملاً چھائے ہوئے بھی ہیں۔ ہمارے پاس دینِ حق ہے۔ اگر اسے آج کے علمی معیار کے لحاظ سے پیش کیا جائے تو وہ وقت زیادہ دور نظر نہیں آتا کہ دنیا سے باطل نظریات کی تاریکی چھٹ جائے اور دین حق کی روشنی چاروں طرف پھیل جائے۔ اگر اس میدان میں ہماری تیاری مکمل نہ ہو تو ڈر ہے کہ ہم اپنی کم زور وکالت کی وجہ سے اللہ کے دین کی حقانیت نہ ثابت کرسکیں اور دنیا محض اس وجہ سے اسے ناقابلِ التفات سمجھ کر رد کردے کہ ہمارے پاس اس کے حق میں مضبوط دلائل نہ تھے۔ یہ نقصان کتنا بڑا نقصان ہوگا، ہمارا بھی اور پوری نوع انسانی کا بھی! دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نقصان سے ہمیں محفوظ رکھے۔

(ماہ نامہ زندگی نو، نئی دہلی، اگست ۱۹۸۶ء)